بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

عالمی امریکی استعمار، اُمت مسلمہ اور پاکستان

قاضی حسین احمد

''امریکہ'' آج روے زمین پر طاقت، ظلم اور جبر سے اپنی مرضی مسلط کرنے کی علامت بن چکا ہے۔ اس ملک کی قیادت نے جس کی پس پشت قوت دراصل یہودی ہیں، فساد فی الارض کو اپنا یک رکنی ایجنڈا بنا لیا ہے اور وہ اس کے خاکے میں انسانوں اور بالخصوص مسلمانوں کے خون سے مسلسل رنگ بھرنے میں مصروف ہے۔ برطانیہ سے آزاد ہونے کے بعد سے امریکی فوج ۱۰۲ سے زائد مرتبہ دنیا کے مختلف ممالک میں دخل اندازیاں کر چکی ہے اور صرف ۱۹۴۵ء کے بعد سے، اب تک یہ ۲۰ سے زائد ملکوں میں فوجی مداخلت کی مرتکب ہوئی ہے۔ اس نے ۲۳ سے زائد ملکوں پر بمباری کر کے لاکھوں معصوم شہریوں کا خون بہایا ہے۔ ان ممالک میں عراق، افغانستان، لبنان، سوڈان، انڈونیشیا، کوریا، چین، ویت نام سمیت متعدد چھوٹے ممالک شامل ہیں۔ امریکہ ۲۰ سے زائد ممالک میں بغاوتوں میں مدد کر چکا ہے اور اس کی خفیہ ایجنسی، سربراہانِ مملکت کے قتل میں شریک ہونا ثابت ہے۔ انڈونیشیا کے سوئیکارنو ہوں یا مصر کے جمال عبدالناصر، مراکش کے جنرل احمد ولیمی ہوں یا ایران کے آیت اللہ خمینی، معمر قذافی ہوں یا شاہ فیصل شہید، امریکہ اور اس کی خفیہ تنظیمیں دنیا بھر کے رہنماؤں کے قتل یا اقدامِ قتل کی منصوبہ بندی کرتی رہی ہیں۔ اور یہ باتیں اب محض دعوے یا الزامات نہیں بلکہ ان پر متعدد تحقیقی کتب اور

مضامین شائع ہو چکے ہیں۔

آخر امریکہ یا بالفاظ دیگر پس پردہ قوت محرکہ یہودی کیا چاہتے ہیں؟ تمام امریکی اقدامات، کارروائیوں، سازشوں اور حملوں کی کڑیاں جوڑ لی جائیں تو اس سوال کا جو جواب واضح طور پر سامنے آ جاتا ہے اور وہ ہے: ''ایک ایسے عالمی نظام کا قیام جس میں امریکہ کے معاشی مفادات اور ہوس پر مبنی امریکی تہذیب کا مکمل غلبہ ہو۔ اس کے افکار کو فروغ حاصل ہو رہا ہو، زیادہ سے زیادہ کی طلب کی بنیاد پر قائم نظامِ معیشت چل رہا ہو، جس کے نتیجے میں دولت کا بہاؤ عالمی اور مقامی سرمایہ داروں کی طرف رہے، میڈیا کے ذریعے ایک ایسی فضا بنا دی جائے کہ لوگ اس کے دیے ہوئے زاویۂ نگاہ کے مطابق دیکھتے اور سوچتے ہوں، اس کا حکم مانا جاتا ہو اور اس کی بارگاہ میں سرِ تسلیم خم کیا جاتا رہے اور لوگ اس کی قائم کردہ عدالتوں میں اپنے معاملات لے کر پہنچیں اور اسی کے عطا کردہ قوانین پر اپنے فیصلے کروائیں''۔ غرض اخلاق، تمدن، معیشت، معاشرت سب کچھ اسی کے متعین کردہ پیمانوں، ضابطوں، قاعدوں کی بنیادوں پر استوار ہو۔ اسی پروگرام اور منصوبے کے تحت اس نے کبھی لیگ آف نیشنز قائم کی تو کبھی اقوامِ متحدہ، کبھی وہ اپنی فوجوں کے ساتھ ویت نام، افغانستان اور عراق میں اترا تو کبھی سازشوں کے ذریعے اس نے ایران پر بھاگ جانے والے شاہ کو دوبارہ مسلط کیا (۱۹۵۳ء)، انڈونیشیا میں فوجی حکومت لانے کی کوشش کی۔ اور کبھی لیبیا، کمبوڈیا، گوئٹے مالا، پاناما، نکاراگوا، لاؤس اور پیرو جیسے چھوٹے اور کمزور ممالک میں مداخلتیں کرتا رہا اور اپنے ایجنڈے کو آگے بڑھاتا اور فروغ دیتا رہا۔

ذرائع ابلاغ اور معیشت کی قوتوں کو استعمال کر کے اپنے مذہب ''لبرلزم'' کے فروغ کے لیے امریکہ کو عراقی تیل کی ضرورت پیش آئی یا افغانستان میں فوجی چوکی قائم کرنے کی، اس نے کبھی کسی رکاوٹ یا لومۃ لائم کی پروا نہیں کی۔ اقوامِ متحدہ سمیت ساری دنیا کی رائے کو نظرانداز کر دیا اور ہمیشہ پوری قوت سے اپنے ایجنڈے کے خاکے میں رنگ بھرتا چلا گیا۔ اسی حوالے سے اس کا تازہ ترین شکار ایک بار پھر عراق ہے۔

۲۲ مارچ ۲۰۰۳ء کو امریکی عسکری سالار جنرل ٹومی فرینکس نے دوحہ میں عراق پر اپنے

حملے کے جو اسباب بیان کیے تھے ان میں مہلک ہتھیاروں کو تباہ کرنا' دہشت گردوں کو گرفتار اور ان کا نیٹ ورک ختم کرنا' موجودہ عراقی حکومت کی معزولی اور پھر تبدیلی' اور تیل کے کنوؤں کی حفاظت شامل تھی۔ ان سارے مقاصد کے حصول کے لیے مہم جوئی ان مسلمہ اصولوں کے خلاف ہے جو وہ خود اقوامِ متحدہ کی ریڈاسٹمپ کے ذریعے طے کروا چکا ہے۔ امریکہ جن مہلک ہتھیاروں کی بات کرتا تھا اقوامِ متحدہ کے چیف اسلحہ انسپکٹر ہنس بلکس اور عالمی ادارہ برائے جوہری توانائی کے سربراہ محمد البرادی ۷ مارچ ۲۰۰۳ء کو اپنی رپورٹ میں عراق میں ان کے عدمِ وجود کا اعتراف کر چکے ہیں اور پھر ۶۰ سے زیادہ الصمود میزائلوں کی تباہی کے بعد تو اس کا قطعاً کوئی جواز باقی نہیں رہا تھا۔ اسی طرح اقوامِ متحدہ کے چارٹر کے آرٹیکل ۲ میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ تمام ممالک خودمختاری کے حوالے سے برابر ہیں اور کسی ملک کی سرحدوں کو بزورِ قوت پامال نہیں کیا جائے گا مگر امریکہ خود یہ کر رہا ہے اور مزید کرنے پر مصر ہے۔ جہاں تک عراق میں موجود دہشت گردوں کی گرفتاری کا تعلق ہے تو عالمی سطح پر آج تک دہشت گردی کی کوئی تعریف ہی متعین نہیں کی جا سکی ہے اور اب تک عملاً جسے امریکہ دہشت گرد کہتا ہے اسے اقوامِ متحدہ دہشت گرد تسلیم کر لیتی ہے۔ اگر بغور دیکھا جائے تو ان الزامات میں کوئی حقیقت سرے سے موجود ہی نہیں تھی۔

دراصل امریکہ کے پیشِ نظر عراق کے حوالے سے بالکل مختلف اہداف ہیں۔ اور یہ اب کوئی راز نہیں رہے۔

۱- مشرق وسطیٰ کے عین بیچ میں بیٹھ کر اطراف کے ممالک پر تسلط قائم کرنے اور اس پورے خطے اور خود عراق کی جغرافیائی تشکیلِ نو (۷ مارچ کو ۲۰۰۳ء کو اپنی پریس کانفرنس میں بش نے تین مرتبہ شیعہ سنی اور کردوں کا الگ الگ تذکرہ کیا)۔ یاد رہے کہ ماضی میں دوسری جنگِ عظیم کے بعد بھی استعمار نے پہلے تو عربوں کو ترکوں سے لڑایا اور پھر ایک ہی مذہب' خطے و جغرافیے' زبان' نسل' تہذیب' تمدن اور کلچر رکھنے والے عربوں کو بیسیوں ممالک میں تقسیم کیا اور ان پر اپنے نمایندہ بادشاہوں کو مسلط کر کے دراصل اپنی کالونیاں بنائے رکھا۔ اور اب وہ انھیں تقسیم در تقسیم سے دوچار کرنا اور ان پر اپنی تہذیب مسلط کرنا چاہتا ہے۔

۲- دنیا کے تیل کے دوسرے بڑے ذخیرے کے مالک ملک عراق کے تیل اور گیس پر قبضہ، اور عراق کو ۲۰۰۰ء میں تیل کی فروخت کے لیے ڈالر کے بجائے یورو کرنسی کے طور پر منتخب کر کے ڈالر کو نقصان پہنچانے کی سزا دینا اور عالمی معیشت کے یورو کی طرف رجحان کو توڑ کر دوبارہ ڈالر کی طرف موڑنا۔

۳- دنیا میں تیل کے سب سے بڑے صارف، یعنی خود امریکہ کو تیل کی سستی، محفوظ، مسلسل، بلاتعطل فراہمی کا مستقل بندوبست کرنا۔ اور عراق اور شرق اوسط سے تیل حاصل کرنے والے دوسرے ممالک جن میں یورپ کے ممالک اور چین اہم ہیں پر اپنا دباؤ اور گرفت قائم کرنا۔

۴- اگلے مرحلے پر سعودی عرب، ایران اور تیل پیدا کرنے والے دیگر ممالک کے خلاف کارروائیوں کی راہ ہموار کرنا۔

۵- خطے میں اسرائیل کو تحفظ فراہم کرنا (حال ہی میں کولن پاول نے اپنے ایک لیکچر میں کہا ہے کہ ہم اسرائیل پر سے مہلک ہتھیاروں کے تمام سائے ہٹا کر دم لیں گے)۔

۶- جنگ اور پھر تعمیرِ نو کے نام پر اپنی فوجی اور تعمیری صنعتوں کو اربوں ڈالر کی فراہمی۔

۷- دنیا پر اپنی فوجی اور معاشی دھاک بٹھانا اور عالمی اور علاقائی سیاسی نقشے کی اپنے منصوبے اور مفاد کے مطابق تشکیلِ نو۔

ان عزائم کے ساتھ امریکہ اس وقت دنیا کی قریبی تاریخ کا سب سے بڑا غاصب اور امریکی دانش ور چومسکی کے بقول (rogue) بدمعاش ملک بن کر سامنے آیا ہے اور دنیا پر اپنے قبضے کے ارادے کے سامنے چند لاکھ عراقیوں کا خون اسے سستا سودا معلوم ہو رہا ہے اور بظاہر ساری دنیا اس کے سامنے بے بس نظر آ رہی ہے۔ مگر امریکی ظلم کی جو تاریکی گھٹا ٹوپ اندھیرے میں بدل چکی ہے یہیں سے اس کے زوال کا آغاز ہو چکا ہے۔ یہیں سے ایک تابندہ سویرے کی کرنیں پھوٹتی نظر آتی ہیں اور سپیدۂ سحر طلوع ہونے کے آثار ہیں۔ کنارِ فلک کا یہی سیاہ ترین گوشہ ان شاء اللہ مطلع ماہِ تمام بن سکتا ہے۔ آیئے ذرا اس کا جائزہ لیتے ہیں:

۱- امریکی استبداد نے دنیا بھر کے دردِ دل رکھنے والے اربوں انسانوں کو بیدار کر دیا

ہے اور ۱۵ فروری اور اس کے بعد ہونے والے زبردست مظاہرے عوامی مزاج میں بڑی تبدیلیوں کا پتا دے رہے ہیں۔ انقلاباتِ زمانہ کے نبض شناس جانتے ہیں کہ ہر دور میں تبدیلی کا نکتۂ آغاز یہی ہوتا ہے۔

۲- امریکہ کو اس کے جبر نے تنہا کر دیا ہے۔ جو چند ممالک اس کے ساتھ ہیں ان میں اکثریت ناقابلِ ذکر ممالک کی ہے اور عراق پر قبضے کے بعد علاقے میں امریکہ کے لیے اہداف کے سلسلے میں اختلاف رائے سامنے آنا شروع ہوگیا ہے۔ مثلاً ۲۱ مارچ ۲۰۰۳ء کو امریکہ نے جن ۴۴ ممالک کی فہرست عراق کے خلاف حملے کے حامیوں کے طور پر پیش کی تھی ان میں کوسٹاریکا، جمہوریہ ڈومینکن، ایل سلواڈور، اسٹونیا، ایتھوپیا، منگولیا، مائیکرونیشیا، مارشل آئس لینڈ، روانڈا، سولومن آئی لینڈ، یوگنڈا، ہنڈوراس، اریٹیریا اور پاؤلا جیسے ممالک شامل ہیں۔ آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ جب امریکہ اپنے موقف کی حمایت میں ایسے نام پیش کرنے پر مجبور ہوگیا ہے تو عالمی سطح پر اس کی حیثیت کیا ہو چکی ہے اور آنے والے ماہ و سال اسے مزید کہاں پہنچا سکتے ہیں۔

۳- ایک بات تو اب طے ہے کہ آنے والے دنوں میں بناؤ بگاڑ کے فطری اصولوں کے مطابق امریکہ کی شکست کے بعد اُمت مسلمہ ہی کو دنیا کی امامت کرنی ہے۔ دنیا بھر کے مسلمان ممالک کے اندر ردعمل کا جو شدید لاوا پک رہا ہے وہ کسی بھی وقت آتش فشاں کی شکل اختیار کر سکتا ہے۔ اس بے پناہ قوت کا رخ درست سمت میں موڑ کر اسے امریکی استعمار کے خلاف مستقبل کی طاقت ور مزاحمت کی شکل دی جا سکتی ہے۔

۴- عراق کے عوام نے جس طرح پوری جرأت کے ساتھ امریکی جارحیت کا مقابلہ کیا ہے اور قبضے کے بعد بھی مزاحمت کی نئی تاریخ رقم کر رہے ہیں اس سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ یہ بزعم خود عالمی سوپر پاور قابلِ مزاحمت ہے اور اس کے بارے میں ناقابلِ شکست کا جما جمایا تاثر ختم ہوگیا ہے۔ یہ بڑی اہم اور حوصلہ افزا پیش رفت ہے۔ اور ماضی میں بھی ہمیشہ بڑی قوتوں کو کمزور قوموں کی مزاحمت ہی سے زوال آیا ہے۔

۵- جس طرح افغانستان روس کے لیے دلدل بن گیا تھا اسی طرح آثار و قرائن،

عراقیوں کی منصوبہ بندی اور بعض دیگر اطلاعات بتا رہی ہیں کہ عراق بھی ان شاء اللہ امریکہ کے لیے سیاسی مزاحمت اور گوریلا جنگ کا ایسا میدان بنے گا جس سے نکلنا امریکہ کے بس میں نہیں ہوگا۔ روسی مہم جوئی کے دوران پاکستان نے جس طرح سمجھ لیا تھا' اسی طرح عراق کے بعض سرحدی ممالک نے بھی جان لیا ہے کہ امریکہ کو عراق میں ہی پھنسا دینا درست حکمت عملی ہے۔

۶- افغان جہاد دورِ جدید میں جہاد کا ایک ایسا بابرکت چشمہ تھا جو اب بڑھ کر سیلِ رواں بن چکا ہے اور اس سے سیراب ہونے والے لاکھوں عرب و غیرعرب نوجوان شہادت کی تمنا لیے دنیا بھر میں موجود ہیں۔ عراق نے ان بہت سے بے وطن قافلوں کو ایک اور منزل کا پتا دے دیا ہے اور شہادت کے متوالے اب اس جانب کوچ کر رہے ہیں۔ علما نے خودکش حملوں کو استشہادی مشن قرار دے دیا ہے اور اسے اللہ سے اپنی جان و مال کے سودے پر عمل درآمد سے تعبیر کیا ہے جس سے دشمن پر ایک لرزہ طاری ہے۔

۷- مومن کا سب سے بڑا ہتھیار موت سے بے خوفی اور کافر کی سب سے بڑی کمزوری موت کا خوف ہے۔ یہی وہ فیصلہ کن نکتہ ہے جو بالآخر ایک کی فتح اور دوسرے کی شکست پر منتج ہوتا ہے۔ آج جس طرح کروڑوں مسلمانوں کے دل شہادت کی تمنا سے لبریز ہیں' یہ اتنی بڑی قوت ہے جس سے بڑے سے بڑے دشمن کو شکست دی جاسکتی ہے۔

۸- جنگ میں دشمن کے نازک مقام پر ضرب لگائی جاتی ہے۔ پورے عالم اسلام میں امریکی و یہودی کمپنیوں کی مصنوعات کے بائیکاٹ کی طاقتور ہوتی تحریک دشمن پر ایک ایسی ضرب ہے جسے وہ اپنی پہلے سے گرتی ہوئی معیشت کے ساتھ زیادہ دیر برداشت نہیں کر سکے گا' ان شاء اللہ۔ (یاد رہے کہ ۲۸۰ ملین امریکی عوام ۱۲ ہزار ڈالر فی کس کے مقروض ہیں اور یہ دنیا کے کسی بھی ملک سے زیادہ ہے)۔ اس مہم کا ایک اضافی فائدہ صارفین کی یہ تربیت ہے کہ وہ ضروریات اور تعیشات میں فرق کریں۔ کم اور صرف ضروری اشیا پر قناعت سیکھیں تاکہ وسائل دشمن سے مقابلے کی تیاری میں صرف کرنے کے لیے بچائے جاسکیں۔

۹- امریکی طغیانی نے مسلمانوں کو نہیں خود عیسائی یورپی ممالک کو بھی تشویش میں مبتلا کر دیا ہے اور اس وقت عالمی سطح پر بڑے پیمانے پر رابطے جاری ہیں اور اس بات کے پورے

پورے امکانات موجود ہیں کہ ایک ایسا بلاک وجود میں آجائے جو امریکہ کے سامنے ایک مضبوط بند باندھ سکے۔ امریکی جارحیت کے مقابل ردعمل کی اس صورت میں بھی اُمید کا پہلو موجود ہے۔ روس، جرمنی اور فرانس نے حال ہی میں ایک سربراہی کانفرنس میں امریکہ کو مزید مہم جوئی کرنے کے خطرات سے خبردار کیا ہے۔

مادی اسباب کے لحاظ سے اس وقت امریکہ عالمی انسانی تاریخ کی بظاہر سب سے بڑی معاشی، فوجی اور سیاسی طاقت بن چکا ہے۔ اسی بے مثال قوت نے اسے ایک ایسے غرور اور تکبر میں مبتلا کر دیا ہے کہ اس کی قیادت طاقت کے نشے میں ہر اخلاقی حد کو پھلانگ رہی ہے۔ یہ رویہ ہمیشہ طاقت ور اقوام کے عروج کے بعد اس کے زوال کا سبب بنتا ہے اور وہ اپنے ہی پھیلائے ہوئے جال میں پھنستے چلے جاتے ہیں۔ امریکی صدر بش اور اس کے قریبی ساتھیوں کا حلقہ اپنی اس ہوس ملک گیری کو مذہبی لبادہ اوڑھانے کی کوشش کر رہا ہے لیکن کوئی بھی انصاف پسند آدمی، خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، اس بڑے پیمانے پر تباہی کو کسی مذہبی گروہ کا کارنامہ قرار نہیں دے سکتا اور خود پاپائے روم جان پال ثانی کے امریکی جارحیت کے خلاف بیانات اس کا واضح ثبوت ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ استعماری ممالک کی وہی ہوس ملک گیری ہے جس کا تین سو سال سے کمزور اقوام شکار ہیں:

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش — تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو اُبھارا
اللہ کو پامردیِ مومن پہ بھروسا — ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا
غیرت ہے بڑی چیز جہانِ تگ و دو میں — پہناتی ہے درویش کو تاجِ سرِ دارا

مادی قوت کے مقابلے میں برتر اخلاقی قوت، حوصلے اور ثابت قدمی کی طویل عرصے کی جدوجہد کے لیے اُمت مسلمہ کو تیار کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ کام مسلم حکمرانوں سے زیادہ مسلم اُمت کا ہے۔ سعودی عرب کے علما نے متفقہ طور پر جارحیت کے خلاف ''مکہ مزاحمت'' کے نام سے جس تحریک کے آغاز کی طرف دعوت دی ہے دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں کو اس کا خیر مقدم کرنا چاہیے اور اس کو حکمرانوں کے سائے سے نکال کر عوام کی تحریک میں تبدیل کرنا چاہیے۔ حکمرانوں کے ذریعے اُمت مسلمہ کی تقسیم ہماری سب سے بڑی کمزوری ہے۔ اس تقسیم کی

دیواروں کو اُمت مسلمہ کی ایک عالمگیر اسلامی تحریک کی قوت اور معاشی' سیاسی' عسکری' ہر میدان میں موثر تیاری اور منصوبہ بندی کے ہتھیاروں سے گرایا جاسکتا ہے۔

امریکی جارحیت کے تناظر میں ضرورت اس امر کی ہے کہ اُمت مسلمہ میں تبدیلی کی موجودہ بھرپور سیاسی مزاحمتی لہر کو ایک زبردست تہذیبی جنگ میں بدل دیا جائے۔ لوگوں میں مایوسی کی جگہ اُمید کو عام کیا جائے' اضطراب واشتعال کی طاقت ور لہر کو قوت میں بدل دیا جائے اور اس قوت کو اصلاحِ ذات' اصلاح معاشرہ اور اصلاح حکومت کی طرف موڑ کر نتیجہ خیز بنالیا جائے۔

ایل ایف او پر ہمارا موقف

مذکورہ بالا عالمی صورت حال کے تناظر میں ملک کے اندر فوجی' اور آدھی تیتر آدھی بٹیر قسم کی جمہوری حکومت بھی تشویش کا باعث ہے۔ طرفہ تماشا ہے کہ جنرل پرویز مشرف چیف آف آرمی اسٹاف ہونے کی حیثیت میں وزیراعظم کے ماتحت ہیں' مگر صدر کے طور پر ان کے ''باس'' ہیں! وزیراعظم ہی نہیں' ۲۲ گریڈ کے سرکاری افسر کی حیثیت سے وہ وزیردفاع کے بھی ماتحت ہیں اور صدر مملکت کی حیثیت سے پوری کابینہ ان کے ماتحت ہے! بحیثیت چیف آف اسٹاف وہ جوائنٹ چیف کے ماتحت اور فضائی اور بحری افواج کے سربراہوں کے برابر ہیں اور بحیثیت صدر وہ تمام افواج کے سپریم کمانڈر ہیں۔ بحیثیت صدر مملکت پارلیمنٹ ان کے خلاف مواخذے کی قرارداد لاکر انھیں برطرف کرسکتی ہے مگر چیف آف اسٹاف پارلیمنٹ کے احتساب کے دائرہ سے باہر ہے۔ یہ تمام تضادات اپنی جگہ مگر اس پر بھی وہ مصر ہیں کہ اپنی اس مضحکہ خیز پوزیشن کو برقرار رکھیں گے۔

اس صورت حال میں دو حوالوں سے ہمارا ایک واضح موقف ہے جسے سمجھ لینا چاہیے۔ ایک فوج اور اس کی قیادت اور دوسرا پارلیمنٹ اور ایل ایف او۔

ہم اپنی فوج کا احترام کرتے ہیں' بحیثیت ادارے کے ہم ان پر اعتماد کرتے ہیں' ان کی جائز ضروریات پوری کرتے اور ملکی دفاع کے تناظر میں ان کو پوری اہمیت دیتے ہیں اور آیندہ بھی دینے کے لیے تیار ہیں۔ لیکن ہم اس کی موجودہ قیادت' اس کی اخلاقی و عملی حالت اور